مولانا محمد الحسنیؒ

انسانیت آج بھی
اُسی در کی محتاج ہے



محمد الحسنیؒ ٹرسٹ
www.abulhasanalinadwi.org

اِنسانیت آج بھی

اُسی در

کی محتاج ہے

بقلم

مولانا سید محمد الحسنیؒ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

طبع اول ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق جنوری ۲۰۱۲ء

نام کتاب	:	انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے (مولانا سید محمد الحسنیؒ کے سیرت نبوی کے متعلق مضامین کا مجموعہ)
مرتب	:	عبدالہادی اعظمی ندوی
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار

www.abulhasanalinadwi.com

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

اس عاجز کے لیے نہایت مسرت وخوشی کا موقع ہے کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مضامینِ سیرت ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کواللہ تعالیٰ نے قلم کی بڑی طاقت عطا فرمائی تھی، اور اس طاقت کا اُنھوں نے ہمیشہ اشاعت حق کے لیےاستعمال کیا، ان کے طاقتور مضامین نے عالم عربی کو خاص طور سے متأثر کیا، جمال عبد الناصر کے فتنہ کو بےنقاب کرنے میں "البعث الإسلامي" کا خاص کردار رہاہے، "تعمیر حیات" میں ان کے اداریوں کی گونج عرصہ تک سنائی دیتی رہی، ان کے مجموعۂ مضامین "جادۂ فکروعمل" کو پڑھ کر آج بھی رگوں میں خون گردش کرنے لگتا ہے۔

عرصہ سے خیال تھا کہ ان کے وہ مضامین جو سیرت نبوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) سے متعلق ہیں، یکجا کر کے شائع کیے جائیں، اگرچہ یہ مضامین زیادہ نہیں، مگر جو ہیں وہ بڑے مؤثر اور طاقتور ہیں، اور اگر دیکھا جائے تو یہ مجموعہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔

آج جبکہ اسلام اور رسول اعظم ﷺ کے خلاف دنیا کی فسطائی طاقتیں کھڑی ہیں، اور دنیا کو یہ خوف ہے کہ کہیں اسلام اپنی زبردست اخلاقی تعلیمات کے ساتھ دوبارہ دنیا کی زمام اقتدار نہ سنبھال لے، اور صورت حال کچھ اس طرح بنتی جارہی ہے، ابھی برطانیہ کی تازہ مردم شماری سے اسلام کی اشاعت کی ایک اچھی تصویر سامنے آئی ہے، اور یورپ و امریکہ کی صورت حال سے وہاں کے لوگوں میں بوکھلاہٹ طاری ہے، جتنی سازشیں کی جاہی ہیں اور اسلام کو بدنام کرنے کے لیے جتنی کوششیں کی جارہی ہیں، اتنا ہی اسلام کی حقانیت اجاگر ہوتی جارہی ہے، اور ''جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے'' کی مثل صادق آتی جارہی ہے، بقول شاعر ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

یورپ وامریکہ کی اسلام مخالف سرگرمیوں کے نتیجہ میں عمومی طور پر لوگوں میں ایک تجسس کی فضا پیدا ہورہی ہے، اور قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں کی مانگ بڑھتی جارہی ہے، جس کا پہلے تصور بھی نہیں تھا۔ اس وقت اس کی بڑی ضرورت ہے کہ سیرت پر زیادہ سے زیادہ مواد تیار کیا جائے، اوران کی خوب اشاعت کی جائے، حضور اقدس ﷺ سے محبت کا

ایک تقاضا یہ بھی ہے، اور اشاعت اسلام کی ایک بہترین صورت بھی، یہ مجموعۂ مضامین بھی اسی کی ایک کڑی کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔

راقم سطور ذاتی طور پر بھی عزیز گرامی مولوی عبدالہادی اعظمی ندوی سلمہٗ کا مشکور ہے کہ انھوں نے بہت مختصر وقت میں یہ مضامین جمع بھی کیے، خود ہی ان کو کمپوز کیا اور اشاعت کے لیے تیار کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے، ان مضامین میں ایک نہایت مؤثر مضمون ''اِنسانیت آج بھی اُسی در کی محتاج ہے'' پہلے بھی متعدد بار شائع ہو چکا ہے، وہ بھی اس مجموعہ میں شامل کرلیا گیا ہے، اور اسی کی مناسبت سے اب اس پورے مجموعہ کو اسی نام سے شائع کیا جارہا ہے، کہ اس میں ان مضامین کی پوری عکاسی ہے اور ایک حقیقت کا اظہار بھی۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے، اور اپنے قرب ورضا کا ذریعہ بنائے، اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایک بہترین صدقۂ جاریہ فرمائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

۲۷/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

بلال عبدالحی حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی

اِنسانیت آج بھی اُسی دَرُ کی محتاج ہے

اس دنیا میں بہت سے بڑے آدمی پیدا ہوئے، کسی نے ملکوں کو فتح کیا، کسی نے اپنے وطن کو آزاد کرایا اور بام عروج تک پہنچایا، اس فہرست میں بڑے بڑے فلسفی، سائنس داں، مصلح اور ریفارمر (Reformer)، سیاست داں اور لیڈر اور ادیب و شاعر ہیں۔ لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دائرہ محدود تھا، کسی کا صرف ایک مخصوص معاشرہ اور مخصوص عہد تک، ان میں سے کسی کی زندگی ایسی نہیں تھی کہ جو ہمیشہ کے لیے اور سارے عالم کے انسانوں کے لیے نمونہ بن سکے، ان میں ہر فرد کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا سامان ہو، اور وہ ہر زمانہ میں قابل عمل ہو۔

اگر کوئی بہت اچھا فاتح تھا تو ظلم سے اس کا دامن پاک نہ تھا، اگر کوئی اچھا مصلح اور معلم اخلاق تھا تو قائدانہ صلاحیت اور اخلاقی جرأت سے محروم تھا، اگر فلسفی تھا تو اخلاق سے بے بہرہ اور انصاف سے دور،

روحانیت کا دلدادہ تھا تو عملی زندگی سے نا آشنا اور دنیا کے نشیب و فراز سے بے خبر۔

اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے مطالعہ سے ہم کو دو چیزیں خاص طور سے نظر آتی ہیں:

ایک یہ کہ عام اجتماعی دائرہ سے لے کر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشے تک اس میں ہر چیز کے لیے رہنمائی موجود ہے، اور رہنمائی بھی ایسی جو قیامت تک کے لیے کافی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ہدایت اور رہنمائی کا ہر عنوان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا گوشہ بجائے خود ایک ایسا زندہ معجزہ ہے کہ اگر دوسری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی رسالت، حقانیت اور صداقت کے لیے وہی ایک چیز بس تھی۔

﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الأنبیاء:۱۰۷) (نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر تمام جہاں والوں کے لیے) کا تقاضا بھی یہ تھا کہ یہ اُسوۂ حَسنہ ہر اعتبار سے مکمل اور لازوال، اور جامعیت، کاملیت اور علمیت ہر شعبہ میں بے نظیر و بے مثال ہو۔

دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی بتائی جاتی ہے، لیکن

حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زندگی کے زیادہ سے زیادہ پچیس دن کے حالات ہمیں ملتے ہیں، اور وہ بھی جستہ جستہ، نامکمل، تشنہ اور محتاج تصدیق۔ یہی حال دوسرے مذاہب یا جدید سیاسی و معاشی نظریات و افکار کا بھی ہے۔ اگر اول الذکر کو زندگی کی عملی حقیقتوں سے زیادہ سروکار نہیں معلوم ہوتا، تو آخر الذکر کو صرف اسی دنیا سے دل چسپی معلوم ہوتی ہے، اور وہ بھی اس حد تک کہ ایک مخصوص معاشی نظام یا پارٹی سسٹم بحیلہ یا بجبر لوگوں کے سروں پر قائم رکھا جائے، یا ان کی شکم پُری اور جنسی آسودگی کا زیادہ سے زیادہ سامان کیا جائے۔ ان میں سے کسی کے پاس (انفرادی یا اجتماعی طور پر) انسان کی متنوع، رواں دواں، ترقی پذیر، وسیع اور نازک و بیش قیمت، لوچدار زندگی کے لیے کوئی مفصل قلمی یا زبانی تعلیم اور اس تعلیم کا کوئی عملی نمونہ نہیں ملتا۔

اس کے بالمقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حیران کن طریقہ پر ہمیں ہر چھوٹے بڑے معاملہ کے لیے ایسی واضح مکمل اور مفصل ہدایات نظر آتی ہیں کہ اس کی کوئی ظاہری یا مادی توجیہ نہیں ہوسکتی، اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری نبوت ہے اور دنیا کی آئندہ تاریخ کے لیے اس کے سوا اب کوئی روشنی نہیں۔

جس قدر مفصل تعلیمات و ہدایات ہمیں قرآن و حدیث اور سیرت

پاک کی کتابوں میں نظر آتی ہیں، اگر ان کے ساتھ کوئی عملی نمونہ نہ ہوتا تب بھی اُن کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آتی، لیکن اس کے ساتھ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے، بلکہ خلفائے راشدینؓ، عشرۂ مبشرہؓ، اہل بدرؓ، شرکائے حجۃ الوداع اور عام صحابہ کی ایک کثیر جماعت ایک طویل عرصہ تک اجتماعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت پر کاربند رہ چکی ہے، اور ایسے دلکش اور مثالی معاشرہ کا نمونہ پیش کر چکی ہے، جس کی مثال تاریخ کے کسی اور زمانہ میں اور دنیا کے کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ملتی۔

قرآن مجید کا یہ اعلان جو حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا، اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے:

﴿ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ﴾ (سورة المائدة:۳)

ترجمہ: ’’آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور تم پر اپنا انعام تام کردیا، اور اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔‘‘

لیکن یہ تعلیم و ہدایت، اور یہ نمونہ اور طرز زندگی، اور نبوت کی یہ

دعوت اس بات کے لیے نہ تھی کہ دنیا کی مادی رونق میں کچھ اور اضافہ ہو، ایرانیوں اور رومیوں نے اس میں اگر کچھ کسر چھوڑ دی ہو تو وہ پوری ہو جائے، تمدن کی نازک خیالیوں اور خوش خرامیوں میں کچھ اور ترقی ہو، دنیا کی یہ زندگی زیادہ آرام و راحت اور عیش ولذت کے ساتھ گزرے، وہ اس کے لیے بھی نہیں تھی کہ غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ اور تاج محل وجود میں آئیں، یا یونانی فلسفوں کی موی شمعوں اور شعر و ادب کے فانوس خیال سے تہذیب اسلامی کا کوئی شیش محل تیار کیا جائے، اگر یہ بات تھی تو یہ رومی و ایرانی کچھ بُرے نہ تھے، اور آج بھی یہ امریکی اور روسی بھی کچھ زیادہ قابل ملامت نہیں۔

یہ اُسوۂ نبوی اس بات کے لیے تھا کہ ایک ایسے مطیع و فرمانبردار بندہ کی طرح زندگی گزاری جائے جو اپنے مالک حقیقی کا وفادار ہو، اس کا چاہنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہو، اس کی زندگی امید و بیم کے درمیان گزرے، اس کی رحمت پر اس کو کامل اعتماد ہو، اور اس کے عذاب کا پورا خوف ہو، اور جب قیامت میں وہ اپنے اللہ کے حضور میں پیش ہو تو سرخرو ہو کر اور نفس مطمئنہ کے ساتھ:

﴿يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي

جَنَّتِي﴾ (سورۃ الفجر:۲۷-۳۰)

ترجمہ: ”اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار
کے جوارِ رحمت کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے
خوش ہو اَور وہ تجھ سے خوش ہو، پس تو میرے مطمئن بندوں
میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“

اسلامی فتوحات، اسلامی حکومتوں کا نظم و نسق اور علمی و عملی ترقیات سب اسی ہدایت اور تعلیم نبوی کی روشنی میں تھیں، اور یہ ”میزانِ اعتدال“ ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے رہتی تھی، قرآن مجید میں ایک جگہ یہ آتا ہے کہ جب ہم نے ان کو اقتدار اور قوت دی تو انھوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا انتظام کیا۔ دوسری جگہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے اپنے کو آراستہ رکھیں گے، ان کو ہم زمین میں بھی قوت اور اقتدار عطا کریں گے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ دعوت وہی معتبر ہے جس میں عزیمت و قربانی، سعی و جدوجہد اور زندگی و حرارت ہو، اور قربانی و عزیمت بھی وہی قابل اعتبار اور لائق اعتماد ہے جو نبوت محمدیؐ کی روشنی سے منور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت سے معمور و مخمور ہو۔

اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

اور ہدایات اور عملی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا ہر شعبہ مکمل نظر آتا ہے۔

جب ہم دعا ومناجات کے باب پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ یہی ہے، غزوات وسرایا کا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ آپ کا اصل کمال اسی کے اندر ہے، جوہر شناسی اور مردم گری کی صفت دیکھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ شاید آپ کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے، گھریلو زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ سب سے زیادہ عملیت، بے ساختگی اور لطف ومحبت کے نمونے اسی جگہ ملتے ہیں، صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ یہاں ان اوصاف کا مفصل ذکر کرنا ممکن نہیں، سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک جزئیہ کی جس طرح تشریح وتفصیل بیان کی ہے، اور تنہا ایک حجۃ الوداع کے موضوع پر جتنی دقیقہ ریزی اور دیدہ وری سے کام لیا ہے، وہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ساری انسانیت کے لیے ہے، اس تکمیل وتفصیل کی غرض یہی تھی کہ کوئی انسانی گروہ اور روئے زمین کا کوئی انسان تشنگی کا شاکی نہ رہے، اور کسی کی شکایت باقی نہ رہے۔

دوسری چیز ان نبوی ہدایات وتعلیمات کا اعجاز ہے، بات صرف اتنی نہیں کہ ہر موقع، ہر حالت اور ہر مسئلہ کے لیے کوئی نہ کوئی تعلیم یا ہدایت دے دی گئی ہو، خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہیں، بلکہ اصل پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہر تعلیم، ہر سنت اور ہر قول وفعل اتنا جامع اور مکمل، اس قدر معجزانہ اور حیرت انگیز اور اس قدر مؤثر اور مفید ہے کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی، قرآن مجید نے اس راز سے پردہ اُٹھاتے ہوئے کہا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحىٰ﴾ (سورة النجم:۳-٤)

ترجمہ: ”اور آپؐ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں کرتے، آپؐ کا ارشاد صرف وحی ہے، جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔“

آپ ﷺ کی تعلیمات اور اقوال واعمال ایسے ہیں کہ وحی آسمانی اور تلقین ربانی کے سوا اس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں، اور صاف نظر آتا ہے کہ اتنی گہری نظر، اتنا عمیق علم، اتنی بیکراں شفقت کسی انسان کے زور تدبیر اور زور فکر کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتی، وہ خالص عطیۂ خداوندی اور ہدایت آسمانی ہے، رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید میں اسی

بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (سورة الكهف: ۱۱۰)

ترجمہ: ”کہہ دیجیے کہ میں تمہاری ہی طرح انسان ہوں، البتہ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔“

اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ ﷺ کا اُسوۂ حَسَنہ خود آپ ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے، اور دین کی تکمیل و جامعیت، ختم نبوت، نیز آپ ﷺ کے پیغام و دعوت کی ابدیت و عمومیت کی سب سے کھلی ہوئی اور صاف علامت ہے۔

اگر کچھ لوگ مغرب کی ظاہری ترقیات اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ موجودہ دور میں اسلام کی دعوت شاید اب زیادہ کارگر نہیں، اور اب انسانیت کی چارہ سازی اس کی قوت سے باہر ہے، تو اس کا سبب صرف مغرب کی مرعوبیت اور سنت کے چشمۂ نور سے مسلمانوں کی بے تعلقی اور بے اعتمادی ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی ڈاکٹر سے نسخہ لکھوا کر لائے، لیکن اس کی دوائیں خریدنے کی کوشش نہ کرے، یا تھوڑا سا روپیہ اور محنت خرچ

کر کے دوائیں بھی خرید لے، لیکن گھر آ کر اس کو طاق پر رکھ دے، بد پرہیزی کرتا رہے، اور جو دَوا دِن میں پانچ بار پینے کے لیے بتائی گئی ہو، اور اس کے ساتھ بہت سی ہدایات دی گئی ہوں، اس کو ایک بار بھی نہ پیے، یا صرف جمعہ اور عید کے روز پی لیا کرے، اور اگر پی بھی لے تو اس کے ساتھ بد پرہیزی کرتا رہے، پھر اس کے بعد اس کی شکایت کرے کہ یہ نسخہ فائدہ نہیں کرتا۔

ہم میں سے بہت سے بھائیوں کا یہ حال ہے کہ سیرت نبوی اور صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے حالات کا مطالعہ کیے بغیر وہ اپنے تحت الشعور میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ جدید دنیا کے مسائل میں اس کے پاس رہنمائی نہیں ہے۔

سیرت نبوی ایسے تمام لوگوں کو یہ چیلنج کرتی ہے کہ وہ بتائیں کہ ان کو زندگی کے کس شعبہ میں رہنمائی درکار ہے؟ یا وہ کون سا شعبہ ہے کہ جہاں ان کو قرآن و حدیث اور سنت نبوی سے روشنی نہیں مل رہی ہے؟ اور تہذیب کا وہ کون سا حصہ اور اخلاق عالیہ کی وہ کون سی قسم ہے جو نبوت کی ممنونِ احسان نہیں؟

مسلمان اگر مظلوم ہیں، پسماندہ ہیں، مغرب کے مقلد ہیں، کم زور و بے بس ہیں، تو یہ قصور انسانیت کے اس طبیب اور روحانی معالج کا

نہیں، جس نے ایک ایک بات کھول کر بیان کردی ہے، اور اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ اپنے عمل سے، اپنے ہزاروں لاکھوں ساتھیوں اور جاں نثاروں کے عمل سے اس کو برت کر دکھایا، اور فتح و ناکامی، امن و جنگ، اقلیت و اکثریت، تنگی و خوشحالی، خلوت و جلوت، ہر حالت میں اس پر چلنے کا طریقہ مسلمانوں کو سمجھایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس سوسائٹی میں تشریف رکھتے تھے، وہ فرشتوں اور ملأ اعلیٰ کی جماعت نہ تھی، گوشت پوست کے ان انسانوں کی جماعت تھی جو دل و دماغ رکھتے تھے، جذبات رکھتے تھے، ان کو ملکوں کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا، سرحدوں کی حفاظت بھی کرنی ہوتی تھی، تعلیم کی فکر کرنی پڑتی تھی، حدود اللہ کا اِجرا کرنا ہوتا تھا، اور نازک سے نازک فیصلے کرنے ہوتے تھے، ان کے اندر ہر قسم کے مسائل پیدا ہوتے تھے، لیکن ہم میں اور ان میں جو اصل فرق تھا، وہ اس نسخہ کے استعمال کا تھا، اور ہدایات پر عمل کے ساتھ اس نسخہ کے استعمال نے اُنھیں اس مرتبہ تک پہنچا دیا تھا کہ فرشتوں کی رسائی بھی وہاں ممکن نہ تھی۔

اس روشنی میں اگر ہم سیرت نبویؐ کا پھر سے مطالعہ کریں، اور یہ دیکھیں کہ فتح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت تھی، اور دعا کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوتا تھا، طائف کی وادی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا

گزری، اور فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے کیا سلوک کیا، اقتدار سے پہلے آپ ﷺ کا کیا رویہ تھا، اقتدار کے بعد آپ ﷺ کی کیا روش تھی، انصار کے ساتھ آپ ﷺ کا کیا سلوک تھا، مہاجرین کے ساتھ کیا معاملہ تھا، وفود کے ساتھ آپ ﷺ کس طرح پیش آتے تھے، اور صلح و معاہدہ میں آپ ﷺ کا کیا مسلک تھا، تو ہم خود اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انسانیت جس طرح اُس زمانہ میں آپ ﷺ کی ہدایت کی محتاج تھی، آج بھی اُسی طرح ہے، اور جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ احتیاج بھی قائم رہے گی۔

سیرت محمدی کا اعجاز

سیرت محمدی ملت ابراہیمی اور ملت محمدی کی تاریخ کا ایک ایسا درخشاں عنوان ہے جس نے اس کو انسانیت کی برادری میں ایک بے مثال و لازوال مرتبہ عطا کیا ہے۔ اس پاک سیرت، حیات طیبہ، اُسوۂ حسنہ اور خُلُقِ عظیم کے جمال و کمال اور اس کی اَبدیت و عمومیت کا راز اس کا اعجاز ہے، اس کا ہر پہلو معجزہ، ہر رُخ شاہراہِ ہدایت، اور اس کا ہر موڑ جادۂ منزل ہے۔

اس کی حقانیت و صداقت کے لیے بہت دور جانے اور زیادہ دقیقہ ریزی اور تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں، اس کے جس شعبہ، جس گوشہ اور جس پہلو پر نظر ڈالی جائے گی، معلوم ہوگا کہ تنہا یہی شعبہ آپ ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل اور آپ ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز و اعجاز ہے۔

داخلی شہادتوں کے سوا اگر ہم خارجی دنیا پر نظر ڈالیں تو اس میں بھی

ہمیں جا بجا شہادتیں ملیں گی۔!!

وہ کون ہے جس کی یاد اتنے بڑے پیمانہ پر، اتنی عقیدت کے ساتھ، اتنی عمومیت کے ساتھ، اتنے انتظار و اشتیاق کے ساتھ منائی جاتی ہو؟

کون ہے جس پر اتنی کثرت سے اور اتنی عقیدت و عظمت کے ساتھ دُرود و سلام بھیجا جاتا ہو؟

جس کی سیرت، حالات اور اَخلاق پر اتنا زبردست کتب خانہ، بلکہ اس کے صرف آخری حج کے حالات پر ایسی عظیم و بلند پایہ کتابیں لکھی جا چکی ہوں اور لکھی جارہی ہوں، جس کے ایک ایک قول اور فعل بلکہ ایک ایک ادا، تأثر اور کیفیت کی تشریح و تفصیل میں ائمۂ اسلام اور علمائے سلف نے اپنی عمریں صرف کی ہوں، اور اس کے لیے اپنے سارے آرام و راحت کو ہمیشہ کے لیے تج دیا ہو؟۔

جس کی صداقت اور عظمت پر انسانوں کے اتنے بڑے گروہ کا ہمیشہ اتفاق و اجتماع رہا ہو؟

جس کا ذکر کروڑوں انسان دن میں پانچ مرتبہ ضرور کرتے ہوں، جس کی محبت انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کے دل میں جاگزیں اور نقش ہو، جس کے لیے نعت و سلام کا اتنا بڑا ذخیرہ تیار ہو چکا ہو کہ اگر اس کو اکٹھا کیا جائے تو پوری لائبریری تیار ہو جائے؟۔

جس کے حالات وواقعات سے اتنی کثرت سے استنباط کیا گیا ہو اوراس کی روشنی میں پورا اسلامی قانون تیار کیا گیا ہو؟۔

جس نے زندگی کی ہر ضرورت کے لیے (خواہ وہ کیسی ہی نجی اور چھوٹی ہو) پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہوں۔ لشکروں کی روانگی، شاہانِ عالم کے نام خطوط اور بیرونی وفود سے ملاقاتوں سے لے کر نہانے دھونے، کھانے پینے اور طہارت و استنجا کے تمام معاملات میں جس نے یکساں طریقہ پر انسانوں کی اپنے قول وعمل سے رہنمائی کی ہو۔

جس کی دعائیں نہایت مکمل، جامع اور حیرت انگیز ہوں، اور زبان حال سے خود کہتی ہوں کہ ایسی دعائیں کرنے والا، اور انسانی ضروریات سے ایسی واقفیت رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

غرض زندگی کا کوئی شعبہ ہو، اور انسانوں کی کوئی ضرورت ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اعجاز ہر چیز سے نمایاں ہے، اور اس کا ہر جزو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایسا عنوان ہے جو حق وصداقت کی راہیں ہمارے سامنے کھول دیتا ہے، اور شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سیرت کا یہ اعجاز صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام نسلوں کے لیے

ہے، یہ آفتاب کی طرح سب پر تاباں و درخشاں اور اس سے زیادہ عالمگیر اور نفع رساں ہے؛ لیکن اُن کے لیے جن کے دل پر مہر نہیں لگ چکی، اور جو دل کی بینائی سے یکسر محروم نہیں، جن کے اندر فطرت انسانی کی کچھ نمود، انسانیت کی کچھ رمق، اور شرافت اور احسان شناسی کا کچھ اثر اب بھی باقی ہے۔

وہ مسلمان جو دوسری قوتوں کے اثر میں آ کر اپنے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں، اور احساس کمتری کا خواہ مخواہ شکار اور ذہنی انتشار میں گرفتار ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ پریشان خیالی اور بدحواسی میں ادھر نظر نہ ڈالیں، للچائی ہوئی نظروں سے غیروں کی طرف نہ دیکھیں، اس لیے کہ سراپا شفقت، سراپا رحمت اور خیر و برکت ہستی ان کے سامنے ہے، ان کے لیے یہ شرف بس ہے کہ وہ اس کی امت میں ہیں۔ ضرورت بس اس کی ہے کہ اس کا تھوڑا سا پَرتو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور یہ یقین رکھیں کہ اُسوۂ حسنہ کا ایک ہلکا سا عکس بلکہ اس کا ایک ذرہ ہماری تقدیر بدل دینے کے لیے کافی ہے، اخلاص اور تجربہ شرط ہے۔

سیرت کا پیغام

ربیع الاول کا مہینہ ہر سال انسانیت کو سیرت کا وہ پیغام دیتا ہے جس پیغام نے اس کو چھٹی صدی مسیحی میں نئی زندگی عطا کی تھی، اور اس کو عالمگیر اور اجتماعی خودکشی سے باز رکھا تھا۔ آج بھی یہ پیغام ہمیں تاریخ کے اس دور میں مل رہا ہے، جب تمام مخالف طاقتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو شکست دینے کے درپے ہیں، اور مظلوم انسانیت خود غرض و مفاد پرست بلکہ جرائم پیشہ اقوام کی بے رحمی کا نشانہ ہے۔

سیرت کا یہ پیغام تاریخ کے ہر دور میں بلکہ ہر لمحہ میں امت مسلمہ کی رہنمائی کرتا رہا، لیکن آج یہ پیغام اس لیے بھی بہت اہم اور ضروری ہے کہ بہت سے مسلمانوں اور عربوں کا رشتہ اس ذات گرامی سے بہت کمزور پڑ چکا ہے، جن کا نام نامی محمد ہے، (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم)۔

زباں پہ بار خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

آج بہت سے لوگوں اور خصوصیت سے بہت سے عرب ممالک میں وہ جذبہ مفقود ہے، اور وہاں کے سحر زدہ اور برگشتہ نوجوانوں میں اس نام کے ساتھ وہ وابستگی اور شیفتگی یا محبت وگرمجوشی نظر نہیں آتی جو ایک مسلمان کا شعار اور اس کی سب سے بڑی متاع تھی، اور جس کی شہادت بدر واُحُد کا ذرہ ذرہ، مکہ مدینہ کا چپہ چپہ، بلکہ پورا جزیرۂ عرب اور اس سے آگے بڑھ کر دجلہ وفرات کی لہریں اور نیل کی موجیں بھی دے رہی ہیں۔

بدقسمتی سے آج بہت سے اشتراکیت نواز اور قوم پرست عرب نوجوانوں میں اس نام سے کوئی تحریک یا احساس وطرب کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، جو بہت سے عجمی نژاد مسلمانوں کا شیوہ اور ان کی نظر میں دنیا کی سب سے بڑی سعادت اور نعمت ہے۔ شاید اسی بات کو اقبال نے کہا تھا ؎

کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق وشوق
دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

لیکن سیرت کا یہ پیغام نجد وحجاز مصر وشام اور ہند و پاکستان سب کے لیے یکساں ہے، اور سب اس کے طلب گار اور محتاج ہیں، اس لیے بلا کسی تخصیص کے ہر جماعت اور ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کو محبت وتعلق کا کتنا حصہ میسر آیا ہے، اور اس محبت وتعلق کے نتیجہ میں

اطاعت واتباع کی کیا مقدار اس کے نصیب میں آئی ہے۔

محبت کے اس دعوی کو جانچنے کے لیے ایک ہی پیمانہ ہے، اور وہ یہ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھے گا۔''

چرب زبانی اور قصیدہ خوانی، مشاعرے اور قوالیاں، جلسے اور میلاد کی محفلیں، شیرینی کی تقسیم اور روشنی کا انتظام، اور اس طرح کی دوسری چیزیں محبت کی علامت نہیں، یہ نعت خوانی اور میلاد کی تقریبیں اسی وقت معتبر ہیں جب ان کے ساتھ اتباعِ شریعت اور پیروی سنت بھی کسی درجہ میں شامل ہو۔

اگر کوئی شخص میلاد کے جلسوں میں رات بھر جاگتا اور مشاعرہ سنتا ہے، اور صبح کو نماز نہیں پڑھتا، یا فرائض کسی طرح ادا کرلیتا ہے، لیکن سنتیں چھوڑتا ہے، تو اس کو اس دعوائے محبت کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لیے اس مہینہ سے اگر ہم صرف یاد دہانی کا کام لے لیا کریں، اور اپنا احتساب کرلیا کریں، تو شاید یہ ہمارے لیے سینکڑوں جلسوں، تقریروں اور

مشاعروں سے بہتر ہو، لیکن ان چیزوں سے ہماری دلچسپی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے سننے کے بعد ہم بہت ''سبک دوش'' ہوکر گھر واپس جاتے ہیں، ہمارا دل مطمئن ہوجاتا ہے کہ یہ کارخیر کرکے ہم نے بہت سے گناہوں کا کفارہ کردیا ہے، اور آئندہ بھی بہت سے گناہوں کے حقوق حاصل کرلیے ہیں۔

''اللہ غفورٌ رحیم ہے''، اور ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمادیں گے'' کا ایک ایسا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہوگیا ہے جو اسلام کے حقیقی تصور سے بہت مختلف اور بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا یقین برحق اور ہر مسلمان کا عقیدہ ہے، لیکن اگر اس سے ہمارے اندر جذبۂ عمل کے بجائے بے عملی، یاخدانخواستہ بدعملی پیدا ہونے لگے، تو ہمیں محسوس کرنا چاہیے کہ ہم جادۂ شریعت وسنت سے دور ہوتے جارہے ہیں، اور ہمیں اپنے طرز فکر اور طرز عمل میں فوری تبدیلی کی ضرورت ہے، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے زیادہ خدا کی رحمت و مغفرت پر یقین رکھنے والا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ان سے زیادہ حقدار پوری دنیا میں اور کون ہوگا، لیکن کیا وہ ہماری طرح اس پر تکیہ کرکے بیٹھ گئے تھے، اور یہ سمجھ بیٹھتے تھے کہ اب کوئی گناہ ان کو نقصان پہنچانے والا نہیں؟۔

بدعت کو جو فروغ اب تک حاصل ہوتا رہا، اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ مسلمان جو بے عملی کا شکار یا اپنی عادتوں میں گرفتار اور لہو و لعب یا کھانے کمانے میں مشغول تھے، انھوں نے دیکھا کہ اس طریقہ پر چل کر ان کے سارے مقاصد بھی پورے ہوتے رہیں گے، اور طفل تسلّی بھی ہو جائے گی کہ فلاں جگہ میلاد کروا دیا، سبیل لگوا دی، روشنی کا انتظام کر دیا، اب مزید قربانی، شریعت کے خیال، سنت کی اتباع، نمازوں کی پابندی، اور فرائض کی بجا آوری کی کیا ضرورت ہے، یہ شفاعت تو اسی لیے ہے کہ یہ سب کوتاہیاں معاف ہوں۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس خود فریبی اور بے عملی کا شکار ہے، اس کا ضمیر اور نفس اس کو ملامت کرتا ہے، فطرت سلیم اس کی رہنمائی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے مخلص اور راست باز بندے اس کے سامنے کھول کھول کر حلال و حرام بیان کرتے ہیں، لیکن وہ ہوا پرست جن کو حق و صداقت سے زیادہ اپنی دُکان چلانے کی فکر رہتی ہے، وہ ان کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، اور اپنے ذلیل مقاصد کی تکمیل کے لیے کھلے ہوئے شرک و قبر پرستی سے بھی ان کو عار نہیں ہوتا:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى عِلْمٍ﴾ (سورة الجاثية:۲۳)

ترجمہ: ''بھلا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا، اور اللہ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کیا؟''۔

ربیع الاول کا یہ مہینہ ہمارے لیے سیرت کا ایک پیغام رکھتا ہے، اور وہ پیغام یہ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (سورة الأحزاب: ٢١)

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے، اُن کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

یہ پیغام یہ ہے کہ اپنی خواہشات اور اپنی عادتوں کی غلامی ترک کر کے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کی جائے، اور اپنی خواہش کو اپنا معبود نہ بنالیا جائے، اس لیے کہ گمراہی کے اس درجہ پر پہنچ جانے کے بعد پھر کوئی کوشش اور تدبیر آسانی سے کارگر نہیں ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مسلمانوں کو ہر مرحلہ اور ہر موڑ پر پوری رہنمائی ملتی ہے، تاریخ انسانیت میں یہی وہ تنہا سیرت ہے جس کا ہر شعبہ

اور ہر گوشہ روشنی میں ہے، اور اس میں ہر طبقہ کے سوال کا جواب اور ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، اور سیرت نگاروں نے ان تمام پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

لیکن دیکھنا چاہیے کہ خدا کے سامنے حاضری اور آخرت کی جواب دہی کا اس درجہ یقین ہمارے اندر موجود ہے یا نہیں، جو اس ''اُسوۂ حسنہ'' سے فائدہ اٹھانے کی اولین شرط ہے، اور جس کی کمزوری کی وجہ سے عشق رسول کی وہ چنگاری بھی سرد ہوتی جارہی ہے جو ایک مسلمان کو بے چین و مضطرب رکھتی تھی، اور وہ اپنی ساری بدعملیوں اور غفلتوں کے باوجود شانِ رسالت میں ادنی گستاخی کی بھی تاب نہ لاسکتا تھا، اور اس مسئلہ پر اس سے کسی قسم کی مفاہمت ناممکن تھی۔

سیرت کا پیغام یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا وہی تعلق پھر سے قائم ہو، جس کے بغیر ہماری ساری اجتماعی کوششیں بے روح، بے جان اور بے مقصد ہیں، اور ہماری ہر تمنا ''سودائے خام'' اور ہر جدوجہد ''نقشِ ناتمام'' بن کر رہ گئی ہے۔

سیرت محمدی اور اس کے تقاضے

ربیع الاول کا یہ مبارک مہینہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک نئے پیغام اور نئی دعوت کے ساتھ آیا ہے، یہ پیغام و دعوت واضح الفاظ میں یہ ہے کہ اس وقت ہم مسلمانوں کو عید میلاد کی تقریبات اور جھنڈیوں، آرائشوں اور روشنیوں پر اپنی دولت اور قوت صرف کرنے کے بجائے اپنے بچوں کے دینی مستقبل اور نئی نسل کو شرک و بت پرستی سے بچانے کے لیے صرف کرنی چاہیے۔

اس سے بڑھ کر عجیب و غریب تضاد کوئی نہیں ہوسکتا کہ ایک طرف تو جوشِ محبت میں مہینہ بھر قوالیاں اور نعت خوانیاں ہوں، اور دوسری طرف اپنے دین و مذہب کے بنیادی تقاضوں اور اپنے ملی مسائل سے اس طرح صرفِ نظر کرلیا جائے جیسے کوئی مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں، بلکہ ان ہی تقریبوں اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اگر نماز کا کوئی وقت آجائے تو شوق سماع میں اس کو آسانی کے ساتھ

ضائع کر دیا جائے۔

اگر قوم کا شعور زندہ اور بیدار، اور اس کی قیادت مستحکم اور پائیدار ہوتی تو حق تو یہ تھا کہ تمام مسلمان اس مرتبہ اجتماعی فیصلہ کر لیتے کہ وہ ساری رقم جو وہ ان تقریبات پر خرچ کرتے ہیں، دینی تعلیم کے مسئلہ کے حل کے لیے دے دیں گے، اور جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہوگا، چین سے نہ بیٹھیں گے۔

سیرت کی تقریب بہت مبارک، اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و برکت میں کلام کس کو ہو سکتا ہے، لیکن کیا یہ صرف ہمارے ہی لیے ضروری ہے، ہمارے بچوں کے لیے نہیں جو مشرکانہ تعلیم حاصل کر کے اب نبیوں کو اَوتار کہنے لگے ہیں؟ کیا یہ کافی ہے کہ سال بھر میں کچھ دن جشن منا کر ہم اطمینان سے سو جائیں، اور اپنے کان اور دل و دماغ کی کھڑکی ہی بند کر لیں؟ اگر ہماری نئی نسل جس پر ملت اسلامی ہند کے پورے مستقبل کا دارومدار ہے، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات سے بیگانہ ہو جاتی ہے، تو یہ سیرت کے ایمان افروز جلسے اور ولولہ انگیز تقریریں اور یہ جشن و چراغاں آخر کس منطق، دانش مندی اور فہم و فراست کی رو سے جائز، اور قوانین اشیاء کے کس قانون کے تحت درست ہوگا؟ اگر یہ مسئلہ کروڑوں روپے خرچ کر کے اور ہزاروں لاکھوں کارکنوں اور طویل اور

سخت جدوجہد کے بعد بھی حل ہوتا تب بھی ہم کو اس نازک اور اہم ترین مسئلہ کے لیے ایک فرد کی طرح کھڑا ہو جانا چاہیے تھا، لیکن اس صورت حال میں -جب کہ اس کے لیے اس قدر کثیر وخطیر سرمایہ کی ضرورت نہیں- اس کی طرف سے غفلت و بے پرواہی بہت بُری علامت ہے، اورسخت اندیشہ کی بات ہے۔

پھر اس تعلیمی مسئلہ کے علاوہ مسلمانوں کے کتنے ملی مسائل اور کام ایسے ہیں جو ان کے ملی وجود کی بقا اور ان کی شخصیت و کردار اور ان کی دعوت وطرزِ زندگی کی حفاظت و بقا کے لیے بے حد ناگزیر اور ضروری ہیں، لیکن ایسا نظر آرہا ہے کہ جیسے ان مسائل کا وجود صرف کاغذ پر ہو، یا ان کا تعلق کسی دوسری قوم سے ہو۔

ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں الحمد للہ ایسے متعدد مسلمان تاجر اور کارخانہ دار موجود ہیں جو ان منصوبوں اور کاموں میں سے ایک ایک منصوبہ کے اخراجات تن تنہا برداشت کرسکتے ہیں، لیکن ع

تراہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اگر کچھ کرنے کا جذبہ، غیرت وحمیت کا احساس، ایمان کے تقاضوں کا پورا اثر اور رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت ہوتی تو پھر یہ دشواریاں، معذوریاں اور تن آسانیاں ہمارا راستہ نہ روکتیں، جو آج

سنگ گراں بن کر ہمارے راستہ میں حائل ہوگئی ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے تو اہل حرفت و اہل صنعت اور بڑے تاجروں کو کارخانے اور مل قائم کرنا چاہیے تھا، اور ان کے منافع سے ان بڑے کاموں کا چلانا چاہیے تھا جس کے نہ ہونے سے مسلمان غربت ولاوارثی اور مایوسی و نیم دلی کے احساس میں مبتلا ہیں، اور یہ احساس روگ کی طرح ان کے پورے اجتماعی وجود میں پھیل رہا ہے۔

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا اور پیغام نماز بھی ہے، اور زکوۃ بھی، حج بھی اور روزہ بھی، تبلیغ دین بھی، غریبوں کی خدمت بھی، یتیموں کی اعانت بھی، لیکن کم از کم یہ تو نہ بھولنا چاہیے کہ اس کا پیغام قربانی و ایثار بھی ہے، دین کی راہ میں اور دین کے دوسرے تقاضوں کے لیے اپنی جان و مال نثار کرنا بھی ہے، نہ ختم ہونے والی کوشش اور بے عذر خدمت و اطاعت کا جذبہ بھی ہے۔

چند یتیموں کی اعانت و سرپرستی یقیناً بجا ہے (اگرچہ افسوس ہے کہ اس سے بھی اب غفلت بڑھ رہی ہے)، لیکن جب پوری قوم کی حالت ایک یتیم سی ہوگئی ہو، تو اس وقت اس کی طرف توجہ کرنا بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے اپنا مال خرچ کرنا، اپنے دنوں کا آرام اور راتوں کی نیند حرام کر لینا اور اس کے لیے بے قرار و بے چین رہنا بھی سیرت

رسول ہی کا پیغام اور اسی کا کردار ہے۔

اہلِ میلاد مجھے معاف کریں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ عام طور پر ان تقریبوں اور محفلوں اور بے مقصد و پیشہ ورانہ تقریروں کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی پیاسا آدمی شدت پیاس سے دم توڑ رہا ہو، اور ہم اس کے منہ میں پانی کے چند قطرات ٹپکانے کے بجائے اس کے سامنے پانی کے فضائل ومناقب کا پورا دفتر کھول دیں، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگیں کہ تیرا یہ حال درحقیقت پانی سے غفلت برتنے اور اس کے چشمہ اور مرکز سے دور ہو جانے کی وجہ سے ہوا ہے، اور پانی پینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تو اس پانی کی اہمیت اچھی طرح سمجھے، اور یہ محسوس کرے کہ یہ تیرے وجود اور زندگی کے لیے کتنا ضروری ہے، اور اس آبِ حیات نے کیسے کیسے مردہ تنوں میں روح تازہ پھونک دی ہے، اس کا ایک قطرہ ذریعۂ حیات اور اس کا ایک جرعہ معجزہ پیدا کرسکتا ہے، یہ ساری تقریر اس غریب کے سامنے کی جاتی رہے، اور حقیقت میں اس کے منھ میں پانی کا ایک قطرہ نہ ٹپکایا جائے۔ جگر مرادآبادی نے شاید اسی موقع کے لیے کہا تھا۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دل چسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

ہمیں چاہیے کہ ہم ان کاموں کو بھی سیرت رسول ﷺ ہی کی خدمت سمجھیں، اور یہ محسوس کریں کہ ان کا تعلق براہ راست سیرت محمدی سے ہے، اور عین اس کی تعلیم کے مطابق ہیں، سیاست یا پارٹی بندی کا کام سمجھ کر اس سے غفلت یا اس کو دینی لحاظ سے کمتر سمجھتا بڑی نادانی کی بات ہوگی۔

آج اس پیغام کی عملی تطبیق کی ضرورت ہے، محض خوش بیانی یا زبانی وظیفہ (Lip Service) اس کے لیے نہ آج کافی ہے، نہ کسی اور زمانہ میں کافی تھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) بھی اس پر عمل کرنے پر مجبور تھے، اور آج کے مسلمان بھی اس پر عمل کیے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے، اس کے ایک چھوٹے سے چھوٹے جزو پر عمل ان ہزاروں تقریروں، تحریروں اور جلسے جلوسوں پر بھاری ہے، جن میں عمل کا جذبہ مفقود اور نیت تک درست نہ ہو۔

ہمارا مقصد کسی متعین چیز پر وکالت کرنا اور کسی قسم کی حسنِ طلب نہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ فلاں کام چھوڑیے، فلاں کام اختیار کیجیے، ہم یہ کہتے ہیں کہ نئی نسل کی حفاظت اور مسلمانوں کی زندگی و وجود کے استحقاق کے لیے جو شرائط سنت اللہ اور قرآن وحدیث، تاریخ اسلام، اور ہمارے ماضی وحال کے تجربات اور مشاہدات سے ہمیں معلوم ہیں، ان کو اپنی

زندگی کے ڈھانچہ میں وہی اہمیت دینی چاہیے جس کے وہ مستحق ہیں۔

بعض وقت کھانے کھلانے میں بہت مزہ آتا ہے، لیکن شریعت کا تقاضا اور انسان کی خیر و فلاح کسی دوسری چیز میں مضمر ہوتی ہے، کبھی نوافل و عبادت یا اذکار و تسبیحات میں زیادہ لطف آنے لگتا ہے، لیکن آدمی کا علاج اور روحانی فائدہ مضمر ہوتا ہے صدقہ و خیرات میں، اگر سرمایہ دار اِنفاق فی سبیل اللہ چھوڑ کر نوافل و اَوراد پر اکتفا کرلیں، اور غرباء متوسط الحال لوگ اذکار و عبادات چھوڑ کر محض داد و دہش پر اتر آئیں تو اسلامی معاشرہ کا نظام ہی نہیں چل سکتا۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

مالک الملک کی اتباع اور اس کی تابعداری ایک بندہ کا فرض منصبی ہے اور بس، یہ نقطۂ نظر (جو شریعت کی روح اور احکام اسلام کے عین مطابق ہے) اگر آج مسلمان اپنالیں تو وہ بہت سی رکاوٹیں اور حجابات ایک ایک کرکے خود بخود دور ہوجائیں گے جنھوں نے ملت میں اضطراب و مایوسی کی افسوس ناک کیفیت پیدا کردی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر مسلمان مرد و عورت بلکہ ہر انسان کو اپنا برا بھلا سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، ہمیں خود سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ

ہمارا فائدہ اور نقصان کس چیز میں ہے؟ اسلام کا کس وقت کیا تقاضا ہے؟ اور ان تقاضوں میں کون سا تقاضا بنیادی، کون سا ثانوی، اور کون سا ایسا ہے جس کو خود ہمارے نفس اور میلان طبیعت نے بہت اہمیت دے دی ہے، فی نفسہ وہ اس اہمیت کا مالک نہیں؟ دین کا فائدہ، مسلمانوں اور اسلام کا فائدہ کن کاموں میں ہے؟ اور ہمیں اپنے ایمانی وجود کی حفاظت کے لیے کس قدر فراست وبصیرت، اور کتنا آگے دیکھنے کی ضرورت ہے؟ اگر اتنا کرلیا جائے تو ان شاء اللہ بنیادی الجھنیں خود بخود رفع ہو جائیں گی، وبیدہ التوفیق۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم:٤)

''اور بے شک آپ اخلاق عظیم پر ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید کا یہ اعلان اور فرمان کہ ''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق عظیم یعنی بڑے اعلی اخلاق پر ہیں،'' ہمارے لیے بہت قابل توجہ ہے، انسانی سیرت میں جو چیز کسی دوسرے کو زیادہ متأثر کرتی ہے، وہ اس کی اندرونی و باطنی کیفیات، عبادات، علم وادب اور فن وصنعت سے زیادہ اس کا اخلاق ہے۔ صرف اس کے شیریں ولطیف اخلاق میں وہ موہنی ہے جو سخت سے سخت دل کو موم کرسکتی ہے اور اپنا اسیر بنا سکتی ہے۔

انسانی سیرت کا یہ اہم ترین پہلو جو اکثر لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے، اور بڑے بڑے مصلحین اور ریفارمر (Reformer) بھی یا تو اس سے محروم ہیں، یا اس کی لطافتوں، نزاکتوں، رفعتوں اور وسعتوں سے نا آشنا ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ نمایاں اور تابناک تھا،

اور یہ وہ اخلاق تھا جس کی تصویر خود قرآن مجید میں بار بار بیان کی گئی ہے، چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ "آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کے مطابق تھا، بلکہ عین قرآن تھا"، اس لیے اخلاق کے اس سراپا کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے ہمیں خود قرآن مجید کے اِن حصوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس سے ہمیں آپ ﷺ کے خلق عظیم کا اندازہ ہوگا، جو آیت بالا میں بیان کیا گیا ہے۔

ہمیں اگر اخلاق کے نظارے دنیا میں کہیں نظر آتے ہیں تو اس کے ساتھ ہزار آلودگیاں بھی ہیں......

اخلاق ہے، لیکن اس کے پیچھے کوئی غرض اور مصلحت بھی ہے۔

اخلاق ہے، لیکن اس کے ساتھ ایذا رسانی ہے۔

اخلاق ہے، لیکن اس کے ساتھ عجب، خود پسندی اور احسان جتانے کی عادت ہے۔

اخلاق ہے، لیکن وہ کسی ایک خاص قوم اور طبقہ کے ساتھ محدود ہے، اور اس میں مذہب وملت اور ذات برادری اور رنگ ونسل کی تفریق ہے۔

اخلاق ہے، لیکن اس کے ساتھ کچھ حدود وقیود ہیں، اس کی ایک خاص سطح ہے جس کے آگے اس کو بڑھنے کی اجازت نہیں۔

فراوانی ہے تو اخلاق ہے، تنگ دامانی ہے تو اخلاق مفقود، آسانی

ہے تو اخلاق ہے، دشواری ہے تو اخلاق ختم۔

لیکن اخلاق کے جمال وکمال، حسن ولطافت اور کرم وسماحت کو دیکھنا ہے تو یہ پیکر ہمیں صاحبِ ''خُلقِ عظیم'' کے سوا اور کہیں نظر نہ آئے گا ع

ذات ایسی بتاؤ ملے گی کہیں
جو ہو اتنی عظیم و وجیہ و حسیں

بے شک جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت وعبادات کی تکمیل کی، اسی طرح اخلاق ومعاملات کی تکمیل کی، اور اب کسی کے امکان میں نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے ایک قدم آگے بڑھ سکے، اس اخلاق سے ہٹ کر اگر اخلاق کی کوئی تصویر ہمیں نظر آتی ہے تو یاد رکھیے کہ وہ اخلاق نہیں۔ جس طرح عبادات اور نظام شریعت میں کوئی تبدیلی یا ترمیم یا اضافہ ناممکن ہے، اسی طرح نظام اخلاق میں بھی ترمیم واضافہ ناممکن ہے، جس پر قرآن مجید نے ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لیے مہر لگادی ہے، اور اس کے متعلق یہ صریح حدیث موجود ہے کہ ''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ''(۱) (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱) رواه البيهقي في السنن الكبرى، كتاب الشهادات، باب بيان مكارم الأخلاق و معاليها، حديث رقم ۲۰۷۸۲۔

فاتحِ مکہ

''فتح'' کا لفظ سنتے ہی نفسیاتی طور پر معاً ہمارے خیال میں فاتح اور مفتوح کا نقشہ آجاتا ہے، اور ہماری نگاہوں کے سامنے وہ تمام مظالم پھر جاتے ہیں جو ایک فاتح قوم مفتوح قوم کے ساتھ کرتی ہے، دنیا کے تمام فاتحین کا پہلے بھی یہی دستور رہا، اور آج بھی اس تعلیم و ترقی کے دَور میں بھی نام اور لیبل (Label) کے فرق کے ساتھ بعینہ وہی سب کچھ ہورہا ہے، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہو رہا ہے جو دَورِ جہالت میں ہوتا تھا۔

ملکۂ سبا کی زبان سے قرآن مجید نے جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ ''بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں، تو اس کو پامال کردیتے ہیں، اور اس کے عزت والوں کو ذلیل و خوار بنادیتے ہیں''، تاریخ کی ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تجربہ انسان کو اپنی عمر میں بارہا ہوا، اور جس کا مزہ دنیا نے بار بار چکھا۔

فتوحات کا ذکر آتے ہی ہمارے ذہن میں یہ آتا ہے کہ کوئی فوج

ظالمانہ کسی ملک میں داخل ہو رہی ہے، قتل اور خون کا بازار گرم ہے، دل کی آگ بجھائی جارہی ہے، اور پرانی عداوت اپنا رنگ دکھارہی ہے۔ ظلم اور درندگی کا وہ کون سا طریقہ ہے جس کو فاتح قوم استعمال نہیں کرتی، جنھوں نے تاریخ پڑھی ہے، یا پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ کا مشاہدہ کیا ہے، وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے۔ ایک عالمگیر جنگ پر کیا منحصر ہے، چھوٹی چھوٹی مقامی جنگوں میں کیا کچھ نہیں ہوتا، اور جب کوئی قوم فتح یاب ہوتی ہے، تو وہ کس طرح اپنی روح کی پیاس کو بجھاتی اور اپنی خواہش کی تسکین کا سامان کرتی ہے، تاریخ کا ہمیشہ کا تجربہ ہے، اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ نفرت وعداوت سے جنگ کی ابتدا ہوئی اور ظلم وانتقام پر اس کا خاتمہ ہوا۔

لیکن ذرا فاتحِ مکہ کا حال پڑھیے، ابتدا سے لے کر انتہا تک نقشۂ جنگ کا مطالعہ کیجیے، وہ کیسا فاتح تھا اور وہ کون سی جنگ تھی؟

کیا آپ نے کسی فاتح اور جرنیل کا ایسا حال پڑھا ہے؟ اس شان کی اور اس آن بان کی دنیا میں کوئی اور فتح ہوئی ہے؟ مشرق ومغرب کی تاریخ آپ کے سامنے کھلی ہوئی ہے، کیا کوئی ادنیٰ نمونہ بھی آپ اس جیسا پیش کر سکتے ہیں؟ ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾۔

ذرا تھوڑی دیر کے لیے اپنی ظاہری آنکھیں بند کرلیجیے، اور تصور کی دنیا میں آکر اس فتح کا نظارہ کیجیے۔

یہ دیکھیے! مکہ کا مشہور دشمنِ اسلام ابوسفیان جس کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایذا رسانی میں گزری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں، عجیب ماحول اور عجیب فضا ہے، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) تیز قدمی سے آگے بڑھتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ حضور! اب کفر کے استیصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ وہی ابوسفیان ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، اور مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے شفقت و ملائمت سے گفتگو فرماتے ہیں، اور وہ اسلام لے آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض رحمت اسی پر بس نہیں کرتا، دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر میں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ فوج مختلف راستوں سے ہوکر شہر میں داخل ہو، اور ان احکامات کی پابندی کرے۔

اسے پڑھیے تو یہ احکامات کیا ہیں، کیا کسی تبلیغی وفد کو ہدایات دی جارہی ہیں؟ ذرا ٹھہریے! یہ تو تمام تر رحمت وعفو کی باتیں ہیں، یہ تو محبت کا

پیام سُنایا جارہا ہے، اور انسانیت کا درس دیا جارہا ہے:

(۱) جو شخص ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۲) جو شخص خانۂ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۳) جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۴) جو شخص ابوسفیان کے گھر جارہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۵) جو شخص حکیم بن حزام کے گھر جارہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۶) بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔

(۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

(۸) قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

اللہ اللہ! انتقام کا ایسا قیمتی موقع اور دشمن بھی کیسا دشمن، لیکن ہدایات ایسی دی جارہی ہیں گویا یہ تقسیم انعام کا موقع ہے، اور عام معافی و رحمت کا دن ہے، کہانی اسی پر ختم نہیں ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ابوسفیان کو ایک بلند جگہ پر کھڑا کر دیا گیا تا کہ وہ لشکر اسلام کی پیش قدمی کا نظارہ کرسکے، حیرت ورعب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وہ اس منظر کو دیکھتے رہے، جب سب کے آخر میں انصار کا دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے نام بتایا، دفعتاً قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) برابر

سے گزرے، اور ابوسفیان کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے:

''آج سخت خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔''

آخری دستہ جو خود حضور ﷺ کا تھا، اس کے علم بردار حضرت زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہ) تھے، حضور ﷺ کو دیکھ کر ابوسفیان نے کہا: حضور نے سنا عبادہ کیا کہتے ہوئے گزرے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''آج رحمت کا دن ہے، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔''

پھر وہ وقت بھی آیا جب تمام مجرم حضور ﷺ کے دربار عدالت بلکہ دربار رحمت میں جمع کیے گئے، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے، اور درندگی اور سنگ دلی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا، ایذا رسانی اور وحشیانہ سزاؤں کی پوری تصویر صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی نظروں کے سامنے تھی، صحابۂ کرام تو بعد کی چیز ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے خود حضور ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، آپ ﷺ کو زخمی کر دیا تھا، اور ہاتھ دھو کر آپ ﷺ کی جان کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

آپ ﷺ ان کے ساتھ سب کچھ کر سکتے تھے، اور ایک اشارہ ہی میں ان کا کام تمام ہو سکتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جو برتاؤ

کیا، وہ انسانی تاریخ کی عزیز ترین متاع ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''تم کو معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟''، انھوں نے جواب دیا: ''آپ تو شریف بھائی ہیں اور شریف برادر زادہ ہیں''۔

ارشاد ہوا:

''تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

یہ پہلا منشور آزادی تھا اور اس بات کا اعلان تھا کہ یہ ہے اسلامی فتوحات کا صحیح نقشہ، جو آئندہ آنے والے تمام فاتحین اور مجاہدین کے پیش نظر رہنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئ فتح کا آغاز کیا، ایسی ابدی اور عالمگیر فتح جو صرف مکہ کی نہیں، دراصل پوری انسایت کی فتح تھی۔

اُم ہانی (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ تشریف آوری کے بعد قبیلہ بنی مخزوم کے دو آدمی حارث بن ہشام اور زبیر بن أبی اُمیہ بھاگے ہوئے آئے، اور میرے مکان میں پناہ گزیں ہوئے، اتنے میں علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) بھی آ گئے اور کہنے لگے: میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا، میں نے گھر کا دروازہ بند کر دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ پر حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرمارہے تھے، غسل سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز

پڑھی، پھر میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: خوش آمدید اُم ہانی، کیسے آنا ہوا؟ میں نے ان دونوں پناہ گزینوں اور علی (کرم اللہ وجہہ) کا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس کو تم نے پناہ دی، اس کو میں نے پناہ دی، اور جس کو تم نے امن دیا، میں نے اس کو امن دیا، ان دونوں کو قتل نہ کیا جائے۔

فاتح مکہ ﷺ کی ''رحمۃ للعالمینی'' کی ہلکی سے جھلک تو آپ نے دیکھ لی، جنگ اور فتح کا جو نقشہ آپ کے دماغ میں بنا ہوا تھا، اُس میں اور اِس میں کچھ فرق آپ کو معلوم ہوا؟!! بے ادبی نہ ہو تو ساتھ ہی ہمارے مغربیوں کی فتوحات پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے، ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا آپ کو یاد ہوگا، جرمنی کی شکست پر خوشی و مسرت کس طرح دیوانگی اور پاگل پن کی حد کو پہنچ گئی تھی، اور اخلاقیات کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا، انگلینڈ سے تو خیر اصل واسطہ ہی تھا، ہمارے ہندوستان ہی میں کیا کچھ تماشے نہیں ہوئے، اس موقع پر مجھے چرچل کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جشن منانے والی ایک خاص سرکاری پارٹی میں وزیر اعظم مسٹر چرچل نے V یعنی فتح کا نشان بنا کر رسم کی افتتاح کی، اور اس کے بعد شراب کا پیالہ ہونٹ سے لگایا اور اسی مجلس میں کسی کا ہاتھ پکڑ کر ناچنے لگے۔

یہ تھا مادہ پرست فاتحین کا جشنِ فتح، اس کو سامنے رکھ کر ذرا عبدیت وانکساری کے اس مظاہرہ کو بھی دیکھیے جس کا ذکر کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ''ذی طوی'' پہنچ کر سواری پر وقوف فرمایا، اس وقت ایک یمنی چادر آپ ﷺ سر مبارک پر ڈالے ہوئے تھے، اس فتح کے شکرانہ میں نیازمندی اور عاجزی سے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ قریب تھا کہ ریش مبارک سواری کے کجاوہ سے چھو جائے۔

سکندر و نپولین کے قدردانوں نے کیا فاتح مکہ ﷺ کی زندگی پر بھی غور کیا ہے؟ اور انسانیت کی اس فتح کا بھی مطالعہ کیا ہے، جس کے آغاز سے دنیا کی نئی زندگی کا آغاز ہوا، اور جس کی روشنی میں اور رہنمائی میں اس کے جاں نثاروں اور فدائیوں نے فتوحات کی ایک پوری تاریخ مرتب کر ڈالی، اور اسی ''فتحِ اوّل'' کی اتباع کرتے ہوئے مشرق و مغرب کے لیے ہدایت اور رحمت کی نئی شاہراہ کھول دی؟ ﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِيٓ أَدْعُوٓا إِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورة یوسف:۱۰۸)